احتیاط تھا اور دین کے بارے میں اس کی اشد ضرورت تھی کہ محبت و عقیدت' اور علم و تحقیق کے درمیان حد فاصل کو کبھی مٹنے نہیں دیا۔ عقیدے' حکم' اور مسئلہ کی جہاں بات آئی وھاں خوب اچھی طرح چھان پھٹک کی۔ اور کسی قول اور روایت کو قبول کرنے اور رد کرنے میں کسی رو رعایت سے کام نہیں لیا۔

صحابہ کے بعد یہی حضرات مختلف علاقوں میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے کے لائق تھے' اور بجا طور پر اس بات کے مستحق تھے کہ لوگوں کی دینی' علمی' اور فکری رہ نمائی کا فریضہ ادا کریں۔ چنانچہ جہاں جہاں یہ حضرات (تابعین) موجود تھے وہاں لوگوں کے مقتدا اور پیشوا بن گئے۔ ان میں جو زیادہ اہل علم و فضل تھے ان کے پاس دور و دراز سے لوگ استفادہ کی غرض سے آتے۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تھیں' صحابہ کی زندگی' ان کے اقوال و آراء اور فتاوی تھے۔ اور ان میں باہمی تطبیق اور ترجیح کی صورتیں اور اصول تھے۔ ان کے علاوہ کچھ نئے حالات و مسائل بھی تھے' جن میں ان حضرات کی مستقل آراء تھیں' اجتہاد و استنباط کے مختلف طریقے' اور مختلف زاویہ ھائے نظر بھی تھے۔ طالبان علوم نے ان تمام چیزوں سے استفادہ کیا۔ اور پھر یہ استفادہ کرنے والے اپنے اپنے علاقوں میں بعد میں آنے والوں کے لئے مرکز و مرجع بنے۔ (۱۰)

۷۔ مذکورہ بالا اسباب و وجوہ کے علاوہ اختلاف روایات کی ایک اہم وجہ احادیث کی روایت بالمعنی بھی تھی۔ صحابہ اور تابعین کے ابتدائی دور میں روایت باللفظ کا اہتمام نہیں تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا جاتا تھا۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ: میں نے ایک ہی حدیث کو دس مشائخ سے سنا' ان میں سے ہر ایک نے اسے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا لیکن معنی ایک تھے۔ اس بارے میں علمائے فن نے طویل بحثیں کی ہیں کہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے یا نہیں۔؟ لیکن علامہ سیوطی نے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ اگر روایت کرنے والے میں وہ شرائط پائی جاتی ہوں جو اہل فن نے عائد کی ہیں تو پھر روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔ (۱۱)

ائمۂ مجتہدین کے مسالک اور آراء کے مختلف ہونے میں حسب ذیل وجوہ کا بھی دخل

ہے:

الف: ایک امام کو ایک حدیث ایسے ذریعے سے پہنچی جو اس کے نزدیک قابل اعتماد تھا۔ لیکن دوسرے امام تک کسی ایسے ذریعے سے پہنچی جو اس کے نزدیک معتبر نہ تھا' اس نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

ب: پیش آمدہ مسائل اور واقعات کا حل دریافت کرنے کے لئے مختلف اصول وضع کرنا' اور مقررہ اصول کے تحت ان کا حل معلوم کرنا۔ کسی نے اس کے لئے کوئی اصول وضع کیا' اور کسی نے دوسرے اصول سے کام لیا۔

ج: عرف و رواج کا اختلاف ۔ شریعت کے بعض مسائل ایسے ہیں کہ عرف اور رواج کی تبدیلی سے ان کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ ائمہ مجتہدین کی رہائش مختلف علاقوں میں تھی ۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں کے عرف کے مطابق مسائل کا حل دریافت اور معین کیا۔

اس موقعہ پر ایک اور بات قابل غور ہے ۔ اور وہ یہ کہ محدثین اور فقہاء کی نوعیت کار میں فرق ہے ۔ اس کو سمجھنا ضروری ہے ۔ اس کو سمجھنے سے مذکورہ بالا اختلاف کے بنیادی سبب کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

یہ دونوں گروہ بادی النظر میں ایک دوسرے کے مقابل اور مخالف نظر آتے ہیں ۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ۔ بات یہ ہے کہ ان دونوں کے طریق کار میں بہت باریک مگر بنیادی فرق ہے ۔ ایک طبقے کی توجہ اور کاوش کا مرکزی نقطہ فقہ کی ترتیب و تدوین کا کام تھا' اور دوسرے کی نظر تدوین حدیث کے کام پر تھی ۔ یہیں سے احکام مسائل کی دریافت میں فرق و امتیاز رونما ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ کوئی فقیہ ایسا نہیں تھا جو صحیح حدیث کے مستند ذریعے سے اپنے تک پہنچنے کی صورت میں اپنی رائے اور اجتہاد کو ترجیح دیتا ہو ۔ اسی طرح کوئی محدث بھی ایسا نہیں جو حالات و ضرورت کی بنا پر مسائل کا حکم دریافت نہ کرے ۔ فرق یہ ہے کہ فقیہ اپنے مقررہ اصول و ضوابط کے تحت مسئلہ کا حل تلاش کرے گا' اور محدث کسی چیز کی بنا پر اس کا حل بتائے گا۔ محدث کے سامنے ایک حد تک دوسری راہیں مسدود ہیں اس لئے وہ

روایتوں کے قبول کرنے میں لازمی طور پر فراخ دل ہو گا۔ لیکن فقیہ کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی ہیں' اس لئے وہ کافی چھان پھٹک کے بعد کسی روایت کو قبول کرے گا۔

اس کے علاوہ دونوں کے مزاج اور طبیعت میں بھی فرق اور اختلاف ہے۔ ایک روایت کا دلدادہ' دوسرے پر درایت کا غلبہ۔ احکام مسائل کی دریافت میں اس فرق کا اثر یقیناً ظاہر ہو گا۔ مثلاً سنت سے احکام کے اخذ و استنباط میں محدث اس کی رعایت نہیں کرے گا کہ فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے یا نہیں۔ اس کے مطابق صحابہ کا عمل ثابت ہے یا نہیں؟ حدیث کی موجودگی میں محدث کسی صحابی کے قول' فتوے' رائے اور کسی مجتہد کے اجتہاد کی طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔ صرف حدیث کے نہ ملنے کی صورت میں صحابہ کے آثار' اور فتاویٰ کی طرف رجوع کرے گا۔ قول اور فتوے کی صورت میں ترجیح کی بنیاد علم' تقویٰ' اور حفظ میں برتری اور شہرت ہوگی۔

اس موقعہ پر ایک اشکال ذہنوں میں ابھرتا ہے ۔ وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے ۔ قرآن نے آپ کی تشریف آوری کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی بیان کی کہ اللہ کی طرف سے جو احکام مجمل طریقے سے دیئے گئے ہیں آپ ان کو واضح کر کے بتائیں تاکہ لوگوں کو عمل کرنے میں دشواری پیش نہ آئے ۔ پھر آپ نے بہت سے مسائل کو واضح اور حتمی طریقے سے کیوں نہیں بتایا جس سے ہر طرح کی الجھن ختم ہو جاتی اور عمل کرنے میں تذبذب کی کوئی کیفیت باقی نہ رہتی؟

سطحی نظر سے دیکھنے میں یہ اشکال خاصا وزنی معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی صورت حال امت کے لئے رحمت ہے اگر ہر جزئی اور فروعی حکم کو بھی حتمی طور پر بیان کر دیا جاتا اور امت کے لئے کسی مسئلے کی دو صورتوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار باقی نہ رہتا تو اس سے امت کو تنگی پیش آتی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے جزئی اور فروعی احکام کو اس انداز سے منضبط نہیں کیا کہ لوگ مشکلات میں پھنس جائیں ۔ آپ نے دینی احکام کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ۔ ایک وہ احکام ہیں جن میں غور و خوض اور بحث و تمحیص کو ناپسندیدہ قرار دیا ۔ دوسرے وہ احکام ہیں جن میں بحث و تمحیص اور

اختلاف آراء کو نہ صرف پسند فرمایا بلکہ اسے رحمت کا سبب قرار دیا۔

اس صورت حال کو بالفاظ دیگر یوں سمجھنا چاہیئے کہ شریعت نے احکام کی دو صورتیں بیان کیں۔

ایک قطعی احکام جن میں کرنے والوں کے فہم کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی ۔ حتی کہ ان میں کسی قسم کی توجیہ اور تاویل کی بھی گنجائش نہیں رکھی ۔ ان میں ذرہ برابر انحراف اور کمی بیشی کرنے والوں کو گمراہ اور گنہگار قرار دیا۔

دوسرے وہ احکام جن میں لوگوں کی کمزوری اور امت کی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے توجیہ اور تاویل کرنے والوں کو گنہگار اور بد عمل نہیں کہا۔ پہلی قسم کے احکام کو اعتقادیات سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری قسم کے احکام کو جزئی اور فروعی احکام مسائل سے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جن میں آپ نے سختی نہیں کی ۔ اختلاف آراء کی صورت میں کسی ایک فریق کو نہ مطعون کیا اور نہ اس کی رائے کو غلط قرار دیا ۔ دونوں آراء کی تصویب کی ۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں ۔ ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں ۔ امام نسائی نے اپنی سنن میں دو صحابہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انھیں غسل کی ضرورت پیش آئی پانی موجود نہیں تھا' ان میں سے ایک صاحب نے غسل نہ کر سکنے کے سبب نماز نہیں پڑھی. دوسرے صاحب نے تیمم کیا اور نماز ادا کر لی ۔ نبی علیہ السلام سے رجوع کیا تو آپ نے دونوں میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ اس نے غلط کیا۔ دونوں کی توثیق کی۔ (۱۲)

بات یہ ہے کہ اصولی اختلاف اور بات ہے اور فروعی اختلاف اس سے مختلف چیز ہے۔ بعض حضرات جزئی اختلاف کو اصولی اختلاف سمجھ کر ان آیات و روایات کو اس پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں جو اختلاف مذموم کے بارے میں آئی ہیں ۔ وہ ایسا یا تو عدم علم کی بنا پر کرتے ہیں یا اس سے مقصد تلبیس ہے جو کہ شریعت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ بات ہے۔

اس امر میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں کہ اسلامی شریعت نے فروعی مسائل اور ان کے بارے میں اختلاف آراء کی بڑی وسعت اور گنجائش رکھی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی

ہجری میں جو تدوین مسائل کا دور تھا' جب خلیفہ ہارون الرشید نے امام مجتہد مالک بن انس سے یہ بات کہی کہ آپ کی مولفہ کتاب "المؤطا" کو حل مسائل کے لئے ایک مرکزی اور بنیادی کتاب قرار دے دیا جائے اور مفتیوں اور قاضیوں کو اس بات کا پابند کر دیا جائے کہ وہ اس کے مطابق فتوے اور فیصلے صادر کریں تو امام مالک بن انس نے اس تجویز کو رد کر دیا اور خلیفہ وقت سے یہ کہا کہ : فروعی مسائل میں صحابہ کی آراء مختلف ہیں اور وہ سب صواب پر مبنی ہیں ۔ مختلف علاقوں میں لوگ مختلف آراء کے پیروکار ہیں ۔ انہیں ان پر عمل کرنے دیجیئے ۔ یہ صورت حال حضور علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک کی عملی تعبیر ہے کہ میری امت کا اختلاف ' رحمت کا سبب ہے ۔ یہ وہ کھلی رحمت ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے ۔ فروعی مسائل میں ائمہ مجتہدین کی مختلف آراء ہیں ۔ لوگوں کے لئے ان میں سے کسی پر بھی عمل کرنا جائز ہے ۔ حتی کہ ایک رائے کو چھوڑ کر شرعی اور اجتماعی ضرورت کی خاطر دوسری رائے کو اختیار کرنا اور اس کے مطابق فتوی دینا بھی جائز ہے۔

جزئی اور فروعی مسائل میں مجتہدین کے اختلاف آراء کے بارے میں عبد الوہاب شعرانی کا تبصرہ بہت جامع ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ تمام ائمہ مجتہدین راہ حق کے مسافر ہیں' ائمۂ اربعہ کے فقہی مسالک شریعت مطہرہ کے ترجمان ہیں' اس کی حدود سے کوئی باہر نہیں۔ ان کے مختلف اقوال و آراء امت کے لئے رحمت کا باعث ہیں۔

اللہ جل شانہ جو علیم و حکیم ہیں' ان کی حکمت اور مصلحت اسی کی مقتضی تھی کہ غیر منصوص احکام میں اختلاف آراء ہو ۔ اگر اللہ تعالی کو یہ بات پسند نہ ہوتی تو وہ معمولی سے اختلاف کو بھی ممنوع قرار دیدیتے ۔ جس طرح دین کے بنیادی اور اصولی احکام میں اختلاف کو حرام قرار دیا۔

اس حدیث پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہئے کہ فروعی اور جزئی اختلافات کا معاملہ اصولی اختلاف سے بالکل مختلف ہے ۔ انہیں ایک سطح پر نہیں رکھا جا سکتا۔ اس خلط مبحث سے فتنے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروعی اختلاف آراء کو

امت کے لئے رحمت قرار دیا ہے۔

ائمہ مجتہدینؒ کے اقوال و آراء مشکاۃ نبوت سے ماخوذ ہیں' ان کے اقوال و آراء میں فرق یہ ہے کہ کسی ایک امام نے حکم شرعی کے متعلق اصل حکم اور عزیمت کو اختیار کیا' اور دوسرے نے رخصت کو ترجیح دی"۔ (۱۳)

ائمۂ مجتہدین کے اقوال و آراء میں جو اختلاف ہے' اس پر اگر غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کا ہونا ضروری تھا۔ اگر عقائد' اور اصولی احکام کی طرح ہر حکم حتمی طور پر اتارا جاتا' اور ماہرین فن کو اجتہاد و استنباط کی اجازت نہ ہوتی تو یہ امرامت کے لئے تنگی کا باعث بن جاتا۔ عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ جس دین کو قیامت تک کے لئے باقی رہنا ہے' اور اس میں کسی تغیرو تبدل کا نہ امکان ہے' اور نہ اجازت۔ اس میں مسائل کی ایک ایسی نوع بھی شامل ہونی چاہئے تھی جس میں اس کے ماننے والے اجتہاد سے کام لے سکیں' اور ان کے لئے اپنی ضرورت اور عرف و عادت کے مطابق دو احکام میں سے کسی ایک حکم کو اختیار کرنے کی اجازت ہو۔ بشرطیکہ وہ قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول و قواعد سے باہر نہ ہو۔

اختلاف ائمہ کی بحث میں ایک اور پہلو بھی ہے' اور وہ یہ ہے کہ جب اجتہاد شرعی چیز ہے' جس میں رائے اور فہم کا دخل ہوتا ہے' اور علمی و ذہنی سطح کے اختلاف کے باعث آراء مختلف ہو سکتی ہیں اور جب آراء مختلف ہوں گی تو ظاہر ہے کہ ائمہ کا اجتہاد اس سے متاثر ہو گا' اور ایک ہی مسئلے میں ایک سے زائد اجتہادی آراء ہو سکتی ہیں۔ لیکن آراء کے اس اختلاف کو نہ دین کے لیئے مضر کہا جائے گا' اور نہ اس سے امت میں تفریق و انتشار پیدا ہو گا۔

اختلاف کی یہ صورت علم' علماء اور امت کے لئے ترقی کا بھی باعث ہے' اور عوام و خواص کے لئے رحمت کا سبب بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ترقی تصادم اور ٹکراؤ کے بغیر نہیں ہوتی۔ بلکہ ترقی نام ہی دو مخالف چیزوں کے ٹکرانے کا ہے۔ علم کی وسعت اور ترقی بھی افکار و آراء کے ٹکراؤ اور تصادم سے وابستہ ہے۔ ایک حکیمانہ مقولہ ہے: دل آدمی کا مردہ ہے' اس کی زندگی علم سے ہے' اور علم انسان کا مردہ ہے' اس کی زندگی بحث و مناظرے سے ہے"۔

ظاہر ہے کہ بحث و مناظرہ، علم کو علم سے ٹکرانے ہی کا نام ہے، جس سے علم کے مخفی گوشے نمایاں ہوتے ہیں۔ تکوین الٰہی نے اسی لئے اسلام کے مقابلے میں کفر کی طاقتیں کھڑی کیں تاکہ کفر اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اسلام سے ٹکرائے اور اسلام کے حق و صداقت پر مبنی تمام پہلو روشن ہو جائیں۔

علم کے مقابلے پر شک، شبہ اور تذبذب کا لشکر اسی لئے صف آراء کیا گیا کہ جہل اپنے جس حصے کو علم کے خلاف استعمال کرتا ہے، علم کے اتنے ہی مخفی گوشے دنیا کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں۔

شریعت نے مشورہ کا حکم اسی لئے دیا کہ مختلف آراء کے تصادم سے معاملے کے اچھے اور برے۔ تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں، اور بات خوب اچھی طرح چھن چھنا کر بے غبار صورت میں سامنے آجاتی ہے، جب تک اضداد نہ ہوں، اشیاء کی حقیقت پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دین میں ایک حصہ اہل فکرونظر کے اجتہاد و تحقیق اور تصادم آراء کے لئے چھوڑ دیا تاکہ اسلام کا وہ مخفی اور باطنی پہلو بھی نہ صرف عیاں ہو بلکہ بحر بے کراں کی طرح پھیلتا چلا جائے جو وسیع تر اصول و کلیات، اور مخفی اسرار و علل پر مشتمل ہے۔ اور اس طرح خلق خدا امت مسلمہ کے مخصوص اور چیدہ دماغوں اور صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کر سکے۔ لوگوں کو اسلامی علوم کی جامعیت اور کتاب و سنت کی ہمہ گیریت کا بھی اندازہ ہو جائے، اور لوگ اس حقیقت سے آشنا ہو جائیں کہ کتاب و سنت کے مختصر نصوص میں علوم کا کتنا بڑا ذخیرہ بھرا ہوا ہے۔

اختلاف ائمہ کی بدولت احادیث کا ہر ہر محمل اجتہادی مسائل کی صورت میں معمول بہ ہے اور کلام نبوت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس تک لوگوں کی رسائی نہ ہو، اور جس پر عمل مشکل ہو۔

اس اختلاف سے امت کے لئے ایک سہولت بہم پہنچتی ہے، وہ یہ کہ ہر ذوق کا آدمی اور طبقہ اپنے ذوق کے امام مجتہد کی پیروی کر کے تعلیمات اسلام پر عمل پیرا ہو سکتا ہے، جس امام کا مسلک اور اصول۔ جس ماحول اور معاشرے کے لئے زیادہ موزوں اور مفید ہو وہ اسے اپنا سکتا

ہے ۔ اس اجتہادی اختلاف نے اسلام کو ایک ایسے دریا کی مانند بنا دیا جس کا ایک گھاٹ نہ ہو' کئی گھاٹ ہوں' جو راہ رو جس طرف سے گزرے اس سے اپنی پیاس بجھا لے' ہر سمت سے گھوم کر ایک ہی طرف آنے کی مجبوری نہ ہو ۔ ہر گھاٹ کا پانی یکساں ہے' مزا بھی ایک ہے اور تاثیر بھی ایک ۔ صرف رخ بدلا ہوا ہے۔"

اس اجتہادی اختلاف کی بدولت ذہین و فطین شخصیتوں کے چھپے ہوئے جوہر کھلے' کتاب و سنت کی بلاغت و جامعیت کے بارے مستور پہلوؤں کا اظہار ہوا' امت کے لئے عملی آسانیاں بہم پہنچ گئیں۔ ذات نبوت میں جو نوع بنوع علوم اللہ جل شانہ نے ودیعت کئے تھے' وہ امت پر آشکار ہو گئے۔

غرض دین' پیغمبر اور امت سب کے لئے اجتہادی اختلاف اور فروعی تنوع مفید اور سود مند ثابت ہوا ۔ اسی لئے کھلے لفظوں میں اس کی مذمت کی بجائے ستائش کی گئی' اور اسے رحمت واسعہ کہا گیا۔ (۱۴)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ القرآن:۵ (المائدہ'۱۰۱)

۲۔ محمد سلام مدکور۔ ڈاکٹر۔ مناہج الاجتہاد (طبع:دار النہضہ عربیہ مصر ۱۹۶۰ء)۔ ص:۹۸

۳۔ محمد بن احمد انصاری قرطبی ۔ الجامع لاحکام القرآن (طبع مصر ۱۹۶۷ء) ۲/ ۲۷۷

۴۔ علی بن احمد بن حزم ۔ الاحکام فی اصول الاحکام (طبع قاہرہ ۱۳۴۵ھ) ۲/ ۱۲۴ ۔ نیز دیکھئے

۵۔ محمد زکریا کاندہلوی ۔ اختلاف ائمہ (طبع : مکتبہ رشیدیہ ساہیوال۔ ت ۔ ن ۔) ص:۴۔۱۱

۶۔ مناہج الاجتہاد ۔ ص : ۸۹ وما بعد

۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (طبع: محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۱ء)۔ ص:۹'۱۰

۸۔ ایضاً۔ ص: ۱۰' نیز دیکھئے

۹۔ اختلاف ائمہ۔ ص: ۱۸' ۱۹

۱۰۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ۔ ص : ۹'۱۰

۱۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ۔ حجۃ اللہ البالغہ (طبع: مطبع منیریہ مصر ۱۳۵۲ھ)۔ ۱/۱۵۵ ومابعد۔ نیز دیکھئے: اختلاف الفقہاء (امام طحاوی)۔ تحقیق و تعلیق ڈاکٹر صغیر حسن معصومی (مقدمہ)

۱۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح ابواب الصلوٰۃ میں اور امام نسائی نے اپنی سنن کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ عبدالوہاب شعرانی ۔ المیزان الکبری (طبع قاہرہ مصر ۱۲۷۹ھ)

۱۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: " اختلاف امتی رحمتی" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) اور بعض روایات میں الفاظ ہیں " اختلاف اصحابی رحمہ واسعہ" (میرے صحابہ کا اختلاف وسیع تر رحمت ہے)۔ اس روایت کو بیہقی، دارمی اور دار قطنی نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔

★★★

ڈاکٹر ماریا ازابیل فیرو۔ ایک تعارف

محمد خالد مسعود

جدید ہسپانیہ میں اندلس کی اسلامی میراث سے دلچسپی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ محققین کی ایک بہت بڑی تعداد اسلامی عہد کو ہسپانیہ کی قابل فخر میراث سمجھتی ہے اور یہ عہد آج کی بہت سی تصنیفات کا موضوع ہے۔ ہسپانیہ میں اسلامی عہد کے آثار عمارتوں کی صورت میں بھی موجود ہیں اور مخطوطات کی کثیر تعداد کی شکل میں بھی ۔ ان جدید علمی رجحانات کے نتیجے میں بہت سے مخطوطات تحقیق کے بعد شائع ہو رہے ہیں۔ ان میں سے غالباً سب سے اہم عبدالملک بن حبیب (متوفی ۲۳۸ھ) کی "تاریخ" ہے جو ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی۔ (۱) یہ اسلام کی سب سے پہلی عالمی تاریخ ہے جو طبری کی تاریخ الرسل والملوک سے بھی پہلے لکھی گئی۔

سپین کی جامعات میں عربی زبان اور اسلامی علوم کے شعبے قائم ہیں جہاں تاریخ اسلام، علم فقہ، علم حدیث، علم کلام اور اصول فقہ جیسے دقیق علوم پر تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور اندلس کی مسلم شخصیات کے تراجم تیار ہو رہے ہیں۔ ان جامعات میں میڈرڈ، غرناطہ، بلنسیہ اور الاکانتے قابل ذکر ہیں۔ جامعہ میڈرڈ سے ایک وقیع علمی مجلہ "القنطرہ" شائع ہوتا ہے جو پہلے "الاندلس" کے نام سے چھپتا تھا۔ جامعہ الاکانتے سے مجلہ "شرق الاندلس" شائع ہوتا ہے۔ یہ دونوں رسالے ہسپانوی زبان میں ہیں۔ ایک اور علمی مجلہ میڈرڈ کے ادارہ ثقافت ہسپانیہ و عرب سے "الاوراق" کے نام سے ہسپانوی اور عربی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ آج کل کی علمی سرگرمیوں میں پروفیسر گارسیا گومیز، پروفیسورا مانویلامارین ماریا، لوسیا آبیلا، لوئیس مولینا، ایکسپراسیون گارسیا، اور ماریا ازابیل فیرو کے نام نمایاں ہیں۔ اس مضمون میں ہم ان میں سے ایک شخصیت کے علمی کام کا تعارف پیش کریں گے۔

ڈاکٹر ماریا ازابیل فیرو (۲) حکومت ہسپانیہ کی علمی تحقیقات کی مجلس اعلی کے ادارہ لسانیات

کے شعبہ علوم عربیہ سے وابستہ ہیں۔ تاریخ اندلس' مالکی فقہ' عبادات اور بدعات ان کی خصوصی دلچسپی کے موضوعات ہیں' جن پر وہ ہسپانوی' فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں پچاس سے زیادہ مقالات شائع کر کے اہل علم سے داد وصول کر چکی ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ڈاکٹر فیرو نے ۱۹۷۴ء میں میڈرڈ کی جامعہ کمپلوتانسے کے شعبہ لسانیات میں داخلہ لیا جہاں سے سامی زبانوں میں تخصص کے ساتھ ۱۹۷۹ء میں فارغ التحصیل ہوئیں۔ ان کی اعلی کارکردگی کی بناء پر انہیں ڈاکٹریٹ کے لئے وظیفہ ملا۔ انہوں نے ۱۹۸۰ء میں پی ایچ ڈی پر مقالہ لکھنا شروع کیا۔ ۱۹۸۲ء میں وہ لندن گئیں اور ایک سال تک لندن یونیورسٹی کے مدرسہ علوم شرقیہ و افریقیہ سے وابستہ رہیں۔ ۱۹۸۳ء میں لندن سے واپسی پر جامعہ کمپلوتانسے کے شعبہ علوم عربیہ و اسلامیہ میں استاد مقرر ہوئیں۔ ۱۹۸۵ء میں انہوں نے ڈاکٹریٹ حاصل کی ۔ اس کے بعد ۱۹۸۷ء سے وہ علمی تحقیقات کی مجلس اعلی کے ادارہ لسانیات میں شعبہ علوم عربیہ میں بطور محقق کام کر رہی ہیں۔ اپنی علمی خدمات کے پیش نظر "القنطرہ" اور "اوراق" کی مجلس ادارت کی رکن بھی ہیں۔

ڈاکٹر فیرو نے جب تحقیقی کام شروع کیا تو مجلس اعلی کے زیر اہتمام اندلس کے اسماء الرجال اور تراجم کے ایک عظیم منصوبے پر کام ہو رہا تھا (۳) ۔اب تک اس کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں ۔ ڈاکٹر فیرو نے اس سلسلے میں ابن حاتم الطلیطلی' معاویہ بن صالح الحضرمی کے علاوہ الذھبی' المقریزی' ابن القوطیہ' الصفدی اور ابن الطلاع کی کتابوں میں مذکور اندلس کی شخصیات پر مقالے لکھے ہیں ۔ ان کے علاوہ بھی اندلس کی اہم شخصیات کے بارے میں ان کی تحقیقات شائع ہو چکی ہیں ۔ ان کے مقالات اور تصنیفات کی ایک منتخب فہرست مضمون کے آخر میں دی جا رہی ہے۔

اس مضمون میں ان تمام تحقیقات کا جائزہ لینا ممکن نہیں اور نہ ہی ضروری ہے' ہم ڈاکٹر فیرو کے تخصص کے ایک موضوع پر ان کی تحقیقات کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں جو برصغیر پاک و ہند کے محققین اور قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہو گا۔ یہ موضوع حدیث اور بدعت کی بحث سے تعلق رکھتا ہے۔

اندلس میں بدعت کی بحث ہمیشہ اہمیت کی حامل رہی۔ غالبًا اس کی وجہ یہ تھی کہ

دارالاسلام کے مرکز سے دور علاقوں میں علماء کی مستقل توجہ اس بات پر رہی کہ مقامی اثرات کے تحت دین میں نئی باتیں نہ داخل ہو جائیں ۔ یہ تشویش بعد میں دائمی حیثیت اختیار کر گئی کیونکہ حج اور تحصیل علم کے لئے اندلس سے مسلمانوں کا مرکز کی طرف سفر مسلسل جاری رہا اور مرکز سے بھی علماء اندلس میں آتے رہے ۔ اس سفر کو "رحلہ" کہا جاتا تھا اور اسے علمی زندگی میں قریب قریب لازمی سمجھا جاتا تھا ۔ سفر کے دوران ان علماء کو مرکز میں علمی سرگرمیوں اور عبادات و عادات سے واقفیت کے ساتھ اندلس میں دینی زندگی کے مظاہر سے موازنے کا موقع ملتا ۔ چنانچہ مرکز سے اندلس میں آنے والے علماء اور اہل اندلس میں ہمیشہ یہ بحث رہی کہ کون سے رواج بدعت ہیں اور کون سے جائز ہیں ۔ اندلس کے علماء اس معاملے میں بے حد محتاط تھے اور اپنی روایت کی حفاظت میں وہ تقلید کی انتہا تک پہنچ گئے ۔ حتیٰ کہ انھوں نے علم حدیث کی اشاعت میں بھی مزاحمت کی ۔

اندلس میں علم حدیث

ڈاکٹر فیرو نے مالکی مذہب کی اندلس میں آمد، خصوصاً علم حدیث کی ترویج پر بیش قیمت تحقیقات پیش کی ہیں ۔ ان کی روشنی میں بہت سی نئی باتیں سامنے آئی ہیں اور اندلس کی دینی تاریخ کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد ملتی ہے ۔ ڈاکٹر فیرو کی تحقیق کے مطابق اندلس میں علم حدیث کی ابتدائی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

پہلا دور جو دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے شروع ہوتا ہے اور تیسری صدی ہجری کے نصف اول پر ختم ہوتا ہے، حدیث کی آمد کا ابتدائی دور ہے ۔ اندلس پہلی صدی ہجری میں فتح ہو چکا تھا، اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور شام سے علماء اور فضلاء کی اندلس میں آمد شروع ہو گئی تھی ۔ اندلس کا مرکز سے مسلسل رابطہ تھا ۔ تاہم اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ علم حدیث کی آمد اندلس میں تیسری صدی ہجری کے آخر میں ہوئی ۔ جب تک مالکی مذہب کافی حد تک مستحکم ہو چکا تھا ۔ اندلس میں تاریخی ادب کی ایک خاص شاخ "اوائل" کی ہے جس میں مختلف امور کے آغاز سے یعنی سب سے پہلے کس کے ذریعے کیا چیز اندلس میں آئی، بحث کی جاتی ہے ۔ اوائل کے اس ادب میں اندلس میں سب سے پہلے حدیث کو متعارف کرانے

والوں میں معاویہ بن صالح (م ۱۵۸ھ) صعصعہ بن سلام (م ۲۰۲ھ) اور عبدالملک بن حبیب (م ۲۳۸ھ) کے نام آتے ہیں۔ البتہ ڈاکٹر فیرو کی تحقیق یہ ہے کہ صعصعہ بن سلام کے بارے میں یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کیونکہ صرف ابن یونس (م ۳۴۷ھ) نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اندلس میں امام اوزاعی کے مذہب اور حدیث کی کتابوں کو سب سے پہلے متعارف کرانے والے صعصعہ بن سلام ہیں اور ابن یونس نے اپنے ماخذ یا سند کا ذکر نہیں کیا۔ معاویہ بن صالح کے بارے میں دلچسپ امر یہ ہے کہ اندلس سے زیادہ عراق و خراسان میں مشہور تھا کہ اندلس میں حدیث کو معاویہ نے متعارف کرایا۔ اندلس کے علماء کو ان کے ماہر حدیث ہونے کا علم عراق اور خراسان میں جا کر ہوا۔ اس کے بعد معاویہ کی روایت کردہ احادیث کی جمع و تدوین شروع ہوئی۔ ابن وضاح القرطبی (م۲۸۷ھ) کے بقول اس وقت تک اندلس میں علم حدیث سے دلچسپی شروع نہیں ہوئی تھی۔

ابن وضاح کے قول کی وضاحت کے لئے حدیث اور علم حدیث میں فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ علم حدیث سے عدم دلچسپی کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اندلس میں حدیث سے آگاہی موجود نہیں تھی۔ اس اختلاف کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے' یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ امام مالک کے ایک شاگرد زیاد بن عبدالرحمن اللخمی شبطون (۱۹۳ھ) نے مالکی فقہ اور خصوصاً امام مالک کی موطا کو اندلس میں متعارف کرایا تھا لیکن علمائے حدیث کے ہاں موطا کو کبھی حدیث کی کتاب تسلیم نہیں کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ موطا مدینہ کے رواج اور عمل پر مبنی ہے اور اس میں اسناد کے وہ اصول نہیں جو علمائے حدیث کے ہاں مستعمل ہیں۔ امام مالک کے نزدیک خبر واحد سے زیادہ عمل متواتر خواہ وہ صحابی یا تابعی سے منقول ہو قابل حجت ہے۔ چنانچہ فقہاء کے اصول حدیث' علمائے حدیث کے اصولوں سے مختلف تھے۔ حتیٰ کہ عبدالملک بن حبیب جو اپنی کتاب التاریخ اور الواضحہ میں اسناد کا اہتمام کرتے ہیں وہ بھی علمائے حدیث کے اصولوں پر پورے نہیں اترتے۔

ڈاکٹر فیرو کے مطابق اندلس میں حدیث کا آغاز صحیح معنوں میں دوسرے دور میں ہوا جو تیسری صدی ہجری کے اواخر میں شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی اہم شخصیات بقی بن مخلد (م۲۷٦ھ)' اور محمد بن وضاح القرطبی (م ۲۸۷ھ) ہیں۔ اول الذکر کا تعلق شافعی مذہب سے تھا اور آخر الذکر مالکی تھے۔ بقی بن مخلد نے احمد بن حنبل جیسے ائمہ حدیث سے علم حدیث حاصل

کیا تھا۔ لیکن مذہب کے لحاظ سے وہ امام شافعی کے پیرو تھے۔ بقی بن مخلد اپنے ساتھ احادیث کا جو ذخیرہ اندلس لائے اس کے حجم کا اندازہ ابن الفرضی اور ابن عبدالبر کے اقوال سے ہوتا ہے۔ ابن الفرضی کا کہنا ہے کہ بقی نے حدیث اور روایت سے اندلس کو بھر دیا۔ ابن عبدالبر کے بقول بقی پہلے شخص تھے جنہوں نے اندلس میں حدیث کی کثرت سے اشاعت کی۔ بقی کی طرح ابن وضاح قرطبی نے بھی علم حدیث کو اندلس میں فروغ دیا لیکن مالکی ہونے کی وجہ سے ان کے اصول حدیث محدثین کے ہاں معتبر نہ تھے اس لئے ان کی روایات کو وہ درجہ نہیں ملا۔ دوسرے دور میں علم حدیث کو فروغ تو ملا لیکن اس کو اتنی ہی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ مالکی علماء نے بقی بن مخلد کی شدت سے مخالفت کی۔ اگر خلیفہ وقت کی سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو بقی بن مخلد کو جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے۔ بقی بن مخلد کی مخالفت کو سمجھنے کے لئے اس اختلافی پس منظر کو جاننا ضروری ہے جو اہل حدیث اور اہل الرائے کے اختلاف کے نام سے معروف ہے۔

اہل حدیث علماء نے اندلسی فقہاء کی مخالفت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ان کی مالکی مذہب سے وفاداری، تقلید اور شدید تعصب کا ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مالکی فقہاء کو خطرہ تھا کہ احادیث کی اشاعت سے مالکی مذہب کمزور پڑ جائے گا کیونکہ مالکی فقہ کو اکثر و بیشتر صحیح احادیث کی تائید حاصل نہیں تھی۔ اندلسی علماء کا کہنا تھا کہ بقی بن مخلد اور ان کے ساتھی ایسی احادیث روایت کرتے ہیں، جو منکرات میں شامل ہیں اور مالکی فقہاء انہیں قابل استناد نہیں سمجھتے۔

اس اختلاف کو ڈاکٹر فیرو نے رفع یدین کی مثال سے سمجھایا ہے۔ اندلس میں جو مالکی مذہب رائج تھا، اس میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی اجازت تھی۔ اس کی بنیاد کسی حدیث کی بجائے عمل مدینہ پر تھی جس سے امام مالک نے یہ حکم اخذ کیا تھا۔ بقی بن مخلد اور ان کے ساتھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اور دوسری اسناد سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی رفع یدین کا ثبوت پیش کرتے تھے۔ موطا میں بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے لیکن مالکی فقہاء اس حدیث کو منسوخ سمجھتے تھے۔ عمل مدینہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس کی ناسخ تھی۔ بقی بن مخلد کے ذریعے جب رفع یدین کی حدیث اندلس میں آئی تو مالکی فقیہ اصبغ بن خلیل نے شدید مخالفت کی۔ حتی کہ بقی بن مخلد کو خلیفہ وقت کی پناہ لینا پڑی۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ رفع یدین کے حق میں احادیث معلوم ہونے اور یہ پتہ چلنے

کے باوجود کہ مالکی مذہب کو صحیح حدیث کی حمایت نہیں اندلس کے لوگ رفع یدین کے بارے میں مالکی مسلک پر ہی قائم رہے۔ البتہ اس دور میں مالکی مذہب کے اہل حدیث سے تصادم کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ اندلسی علماء نے علم حدیث کی طرف توجہ دینا شروع کی۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ تو یہی ہے کہ بقی بن مخلد کے جواب میں اصبغ بن خلیل نے مالکی فقہ کی حمایت میں احادیث بھی پیش کیں۔ ان میں سے ایک حدیث کے بارے میں ابن الفرضی کا کہنا ہے کہ وہ خود اصبغ بن خلیل کی وضع کردہ تھی۔ اس کی اسناد میں اتنا واضح جھول تھا کہ علم حدیث کے ماہرین فوراً اس کی نشاندہی کر سکتے تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس سے ایک طرف تو اس وقت تک کے مالکی فقہاء کی جن میں اصبغ بن خلیل جیسے جلیل القدر عالم شامل ہیں، علم حدیث، اصول حدیث اور علم الرجال سے عدم واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حجیت حدیث کے قائل تھے اسی لئے اپنے مسلک کی تائید میں حدیث پیش کرتے تھے۔

ڈاکٹر فیرو نے اگرچہ ابن الفرضی کی تردید نہیں کی لیکن انہوں نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ جس حدیث کو ابن الفرضی نے اصبغ کی وضع کردہ قرار دیا ہے، اس سے ملتی جلتی حدیث عراقی اسناد کے ساتھ سحنون کی "مدونہ" میں موجود ہے۔ یہ حدیث جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے احناف کے ہاں بھی قابل استناد سمجھی جاتی ہے۔

ڈاکٹر فیرو کی تحقیق کے مطابق اسی رجحان سے تیسرے دور کا آغاز ہوا جس میں اہل الحدیث اور اہل الرائے کے اختلافات ختم ہونا شروع ہوئے۔ مالکی فقہاء نے علم حدیث کو بھی اہمیت دی اور اب مشرق سے کتب حدیث کا اندلس میں بلا روک ٹوک داخلہ شروع ہوا۔ اندلسی علماء نے کتب حدیث کی شرحیں اور مختصرات لکھیں۔ ان میں امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد کی کتب حدیث پر خصوصاً توجہ دی۔ حدیث کی اشاعت کے اس دور میں مالکی مذہب کی تائید میں احادیث کی جمع و اشاعت پر زیادہ زور دیا۔ اہل حدیث اور مالکی علماء کے مابین جو اصولی مباحث شروع ہوئے تھے اس سے اصول فقہ کے علم کو اندلس میں بہت فروغ ملا۔ احادیث اور سنت میں دلچسپی رکھنے والے علماء نے بدعات کے رد میں کتابیں لکھیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اندلس میں ابتدائی دور میں حدیث کی جو مخالفت ہوئی اس کی بڑی

وجہ تقلید اور روایت پرستی تھی۔ اندلسی مسلمان معاشرت اس سلسلے میں انتہا پسند ہو چکی تھی۔ جو دینی روایات اور عادات اندلسی معاشرت میں پختہ ہو چکی تھیں' انہیں جائز' سنت اور واجب العمل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مخالف تمام آراء' احکام اور رواجات خواہ حدیث سے بھی تائید ہوتی ہو انہیں بدعت قرار دیا جاتا۔ اندلس میں اکثر علماء کی اسی بنیاد پر مخالفت ہوئی۔ مثلاً ابن رشد اور امام شاطبی پر بدعت کا الزام لگا کیونکہ وہ اندلس میں مروج بعض مذہبی رواجات کو خلاف سنت گردانتے تھے۔ تصوف اور فلسفے کو بدعت سمجھا جاتا تھا۔ روایت کی حفاظت اور حمایت کے جذبے کے تحت بدعت کی نشاندہی' اس کی تعریف اور اس کا تجزیہ بھی پہلے پہل اندلس میں ہی ہوا۔ بدعت پر کتب کا جائزہ ڈاکٹر فیرو کا خصوصی موضوع ہے۔

بدعات کا مطالعہ

ڈاکٹر فیرو نے بدعت پر تین اہم تصانیف شائع کی ہیں ۔ ۱۹۸۷ء میں ان کی پہلی کتاب "عہد بنو امیہ میں اندلس میں زندقہ" کے عنوان سے تھی جس میں انہوں نے زندقہ کے مفہوم، دائرہ کار اور اس کی تطبیق کا جائزہ لیا ہے۔ زندقہ' بدعت کا انتہائی مفہوم ہے جس کے ڈانڈے کفر سے ملتے ہیں۔ بدعت کی مخالفت اور اس کے خلاف احتیاط میں بھی یہی اصول کارفرما ہے کہ بدعت کفر کی طرف لے جاتی ہے ۔ اندلس میں فلسفہ' آزاد خیالی اور عدم تقلید کو زندقہ قرار دیا جاتا تھا ۔ ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر فیرو نے محمد بن وضاح القرطبی (م ۲۸۷ھ) کی "کتاب البدع" پر تحقیق کر کے اسے ہسپانوی ترجمے' حواشی اور تجزیے کے ساتھ شائع کیا ۔ ان کی تیسری کتاب ابوبکر الطرطوشی کی "کتاب الحوادث والبدع" کا ہسپانوی ترجمہ ہے جو عنقریب شائع ہو گی ۔ ابن وضاح اور طرطوشی کی کتابوں کو بدعت کے مطالعے میں سند کی حیثیت حاصل ہے ۔ ان کتابوں کے تحقیق و ترجمے کے علاوہ ڈاکٹر فیرو نے اندلس میں بدعات کے مسئلے پر اور بھی مقالات لکھے ہیں جن میں سے چند کا ذکر ذیل میں ان کی تصنیفات میں موجود ہے ۔

ڈاکٹر فیرو کی تحقیق کے مطابق اسلام میں بدعت کا لفظ سلبی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں یہ اصطلاح تو مذکور نہیں لیکن اسی مادہ کے دوسرے الفاظ بدیع (مثبت معنوں میں) اور ابتداع اور مبتدع (سلبی معنوں میں) استعمال ہوئے ہیں ۔ بدعت کی مذمت کی بنیاد ایک

حدیث پر ہے ۔جس میں نئے امور کے بارے میں خبردار کیا گیا ہے کہ وہ گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں ۔ امام شافعی کا کہنا تھا کہ ہر بدعت قابل مذمت ہے لیکن ہر نئی چیز بدعت نہیں ہے ۔ خلفائے راشدین کے دور میں بہت سی نئی باتوں کو رواج دیا گیا جن میں جمع قرآن 'تراویح کی نماز وغیرہ شامل ہیں ۔ ابن عبدالسلام الشافعی (م ۶۶۰ھ) اور شہاب الدین القرافی المالکی (م ۶۸۵ھ) نے بدعت کی پانچ قسمیں گنوائی ہیں ۔ حرام' مکروہ' مباح' مندوب اور واجب ۔ امام شاطبی اور دیگر فقہا نے اس تقسیم کی مخالفت کی اور کہا کہ کوئی بدعت قابل تعریف نہیں ہو سکتی۔ ہر بدعت مردود ہے۔ البتہ امام شاطبی کے نزدیک بدعت صرف ان نئی باتوں کا نام ہے جو دینی امور میں اضافہ یا کمی کریں اور انہیں دین قرار دیا جائے' چنانچہ بدعت کا دائرہ کار عبادات ہیں عادات نہیں۔

ڈاکٹر فیرو نے بدعت کے مسئلے پر بارہ اہم تصانیف کا جائزہ لیا ہے۔ ان میں سے چھ مالکی علما کی تحریر ہیں' تین حنبلی' دو شافعی علما کی اور ایک حنفی عالم کی لکھی ہوئی ہے ۔ ان تمام کتب کا جائزہ لینے کے بعد ڈاکٹر فیرو نے بدعات کی ایک فہرست ترتیب دی ہے ۔ ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے ان میں سے چند بدعات کا ذکر کرتے ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ بدعت کے بارے میں تصورات کس طرح بدلتے رہے ہیں اور ماضی میں جنہیں بدعت سمجھا جاتا تھا وہ آج دین کا جز ہیں۔

۱) قرآن کریم سے متعلق بدعات ۔ قرآت بالالحان (گا کر قرآن کی تلاوت کرنا) تلاوت قرآن کا معاوضہ وصول کرنا۔ بازاروں اور گلیوں میں تلاوت ۔ قرآن کریم کا مفہوم و مطلب سمجھے بغیر اسے حفظ کرنا ۔ ناسمجھ بچوں کا حفظ قرآن ۔ محدود مدت میں ختم قرآن ' تلاوت قرآن کے لئے کسی مخصوص دن جمع ہونا۔ رمضان میں ختم قرآن ۔

۲) مساجد سے متعلق بدعات ۔ محراب کی تعمیر(طرطوشی اور ضحاک نے اسے مذموم بدعت قرار دیا ہے' بعد کے فقہاء نے اسے مستحسن بدعت کہا ہے)' مسجد کی تزئین و آرائش ۔ محراب پر آیات قرآنی کی تحریر' مسجد کے اندر چندے کی صندوقچی رکھنا یا مسجد کیلئے چندہ مانگنا۔ مسجد میں کھانا پینا۔ مسجد میں افطاری' مسجد میں خرید و فروخت ۔ مسجد میں شور مچانا۔

مسجد میں پنکھے لگانا۔

۳) ماہ شعبان سے متعلق بدعات ۔ شب برأت کی عبادت۔ صلوۃ الفیہ ۔

۴) رجب سے متعلق بدعات ۔ صیام رجب ۔ صلوۃ الرغائب (رجب کے پہلے جمعے کی مخصوص نماز)

۵) جمعہ سے متعلق بدعات ۔ جمعہ کی تعطیل ۔

۶) جنائز سے متعلق بدعات ۔ نماز جنازہ کو طوالت دینا' جنازے کا پیشگی اعلان کرنا یا تاخیر کرنا تاکہ زیادہ لوگ جمع ہوں۔ جنازہ لے جاتے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا۔ دفن کے بعد تعزیت کرنا' ماتم' قبر پر موم بتی' دیا یا خوشبو جلانا' پانی چھڑکنا' بین کرنا' قبر کے پاس تلاوت قرآن ۔

ان بدعات کا تجزیہ کرنے کے بعد ڈاکٹر فیرو نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ تمام بدعات "نئی" نہیں تھیں' ان میں سے اکثر قبل اسلام سے تعلق رکھتی تھیں جو مقامی معاشرت میں اسلام کے بعد بھی جاری رہیں۔ بعض نئی بھی تھیں جو تاریخی طور پر اسلام کے بعد مروج ہوئیں۔ دوسرا نتیجہ جو قابل ذکر ہے وہ یہ کہ ان میں سے بہت سی بدعات کا تعلق عبادات سے ہے۔ جو اسلامی تعلیمات کے مخالف اور متوازی طور پر مروج تھیں' ان کے بارے میں جہاں عوام اور علماء کے مابین اختلاف رائے تھا وہاں علما کی آرا بھی مختلف تھیں۔ بعض نے اسے قابل مذمت سمجھا' بعض نے اسے مستحسن قرار دیا اور بعض نے انھیں قابل ذکر نہیں سمجھا۔ چنانچہ ڈاکٹر فیرو اس بات پر زور دیتی ہیں کہ بدعات کے بارے میں علما کے رجحانات کے تجزیے اور ان کے تاریخی پس منظر کے مطالعے کی ضرورت ہے۔ اسی سے معلوم ہو سکے گا کہ کن ادوار میں کن امور کو بدعت سمجھا گیا۔ کیا ہر نئی بات کو بدعت کہا گیا۔ کیا بدعت کا منفی تصور جمود پسندی کی عکاسی کرتا ہے ؟ کیا بدعت کا مسئلہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مرکز سے دور اسلامی معاشرے اس سلسلے میں زیادہ تشویش کا اظہار کرتے رہے۔ یہ اور بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب بدعات کے مطالعے سے مل سکتا ہے۔

ان سوالات کا مطالعہ ہمارے لئے برصغیر میں بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اندلس کے حوالے سے ۔ برصغیرپاک و ھند بھی اندلس کی طرح مرکز سے دور معاشرہ رہا ہے۔ یہاں بھی وسط ایشیا اور حجاز سے آنے والے علما ہندوستانی معاشرے میں بدعات کے رواج پر تشویش کا اظہار کرتے رہے ہیں' خود ہمارے ہاں کے علما بھی بدعت کی حقیقت اور اس کی شرعیت پر بحث کرتے رہے ہیں ۔ ان پر کتابیں ' مقالات اور رسائل موجود ہیں ۔ ضرورت ہے کہ علمی بنیادوں پر ان کا جائزہ لیا جائے۔ مختلف بدعات کی تاریخی طور پر نشاندہی کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ برصغیر میں حدیث اور علم حدیث کی آمد (۴) ' مختلف فقہی مسالک کے آغاز اور ارتقا اور فقہی اور اصولی مباحث کی تاریخ ترتیب دی جائے ۔ ڈاکٹر فیرو اور ان جیسے محققین کی تصنیفات ہمارے لئے نمونے کا کام دے سکتی ہیں۔

تصانیف

ذیل میں ڈاکٹر فیرو کی تصانیف کی ایک منتخب فہرست پیش کی جا رہی ہے ۔ فہرست کی ترتیب موضوعاتی اور زمانی اعتبار سے ہے ۔

(کتب):

۱) "عہد بنو امیہ میں اندلس میں زندقہ" (ہسپانوی زبان)' میڈرڈ' ۱۹۸۷ء ۔

۲) تحقیق و ترجمہ' تجزیہ و اشاریہ (ہسپانوی زبان) محمد بن وضاح القرطبی (م ۲۸۷)۔ "کتاب البدع" میڈرڈ' شعبہ علوم عربیہ' مجلس اعلی برائے تحقیقات علمی ' ۱۹۸۸ء

۳) تحقیق و ترجمہ و مطالعہ (ہسپانوی زبان) ابوبکر الطرطوشی ۔ "کتاب الحوادث والبدع" ۔ میڈرڈ (زیر طبع)۔

(مقالات)۔

الف۔ فہارس و مخطوطات۔

۱) "استانبول کے کتب خانوں میں اندلس کے بارے میں مخطوطات" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ"، جلد ۹ (۱۹۸۸)، صفحات ۱۹۹۔ ۲۰۷۔

۲) "ہسپانیہ میں عربی اور اسلامی موضوعات پر تصانیف کی دوبارہ اشاعت کا جائزہ" معاونت: مرسیدیس لوسینی (ہسپانوی زبان)، "فیلکس پاریخا کے اسلامی کتب خانے کی یادداشت نمبر ۲۵"۔ میڈرڈ، ۱۹۸۹ء۔

۳) "اندلس میں معاد و آخرت کی احادیث کے بارے میں ایک نیا مخطوطہ" معاونت: سعدیہ فاغیہ (ہسپانوی زبان) شرق الاندلس"۔ جلد ۷ (۱۹۹۰ء) صفحات ۹۹۔ ۱۱۱۔

۴) "زھد پر چند اولین تصانیف کی اشاعت" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ" جلد ۱۲ (۱۹۹۱ء) صفحات ۵۷۷۔ ۵۸۱

۵) "جامعہ کمپلوتانسے، میڈرڈ، کے کلیہ لسانیات میں عربی اور اسلامی موضوعات پر پیش کردہ ڈاکٹریٹ کے مقالات کا ایک جائزہ"۔ غرناطہ: جامعہ غرناطہ، ۱۹۸۶ء۔

ب۔ تاریخ اسلام۔

۱) "تراجم کے تین معاجم میں ہسپانوی عرب خواتین کا تذکرہ" (ہسپانوی زبان) "قرون وسطیٰ کی خواتین اور ان کا قانونی دائرہ کار"۔ میڈرڈ۔ جامعہ آوتونوما، ۱۹۸۳ء، صفحات ۱۷۷۔ ۱۸۲۔

۲) "بلنسیہ کے ہسپانوی مسلمانوں میں مقبول دینی امور کے بارے میں ایک کتاب کا مطالعہ" (ہسپانوی زبان)۔ "القنطرہ"، جلد ۵ (۱۹۸۴)، صفحات ۴۶۳۔۴۶۷

۳) "بنو عاصم الثقفی۔ ابن الزبیر کے اسلاف" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ"۔ جلد ۷ (۱۹۸۶)، صفحات ۵۳۔ ۸۴۔

(۱۹۸۷ء)، صفحات ۹۹ ـ ۱۱۸

۵) "ابن یونس ـ ابن الفرضی کا ایک ماخذ" (ہسپانوی زبان) "نذر پروفیسر دری او کابانیلاس روڈ ری گیز" ـ غرناطہ ـ جامعہ غرناطہ، ۱۹۸۷، جلد اول، صفحات ۲۹۷ـ ۳۱۳ ـ

٦) "معاویہ بن صالح الحضرمی الحمصی ـ تاریخ اور افسانہ" (ہسپانوی زبان) "اندلس کے اسماء الرجال کے مطالعات" ـ جلد اول (مرتب و محقق مانویلا مارین) ـ میڈرڈ، ۱۹۸۸ء، صفحات ۲۸۱ـ۴۱۱

۷) "الذہبی کی سیراعلام النبلاء اور تذکرۃ الحفاظ میں اندلسی اعلام" (ہسپانوی زبان)، معاونت ـ جی زس زانون ـ "اندلس کے اسماء الرجال کے مطالعات"، جلد اول ـ مرتب و محقق ـ مانویلامارین ـ میڈرڈ، ۱۹۸۸ء، صفحات ۱۸۲ ـ ۲۳۴ ـ

۸) "ابن الطلاعؒ کی فہرسہ" (ہسپانوی زبان)، "اندلس کے اسماء الرجال کے مطالعات" ـ جلد دوم ـ (مرتب و محقق محترمہ ل ـ آویلا) غرناطہ ـ جامعہ غرناطہ، ۱۹۸۹ء صفحات ۲۷۷ ـ ۲۹۷ ـ

۹) "عبدالرحمن الثالث اور خلیفہ کا لقب" (ہسپانوی زبان" ـ "شرق الاندلس"، جلد ٦ (۱۹۸۹ء)، صفحات ۳۳ ـ ۴۲ ـ

۱۰) "ابن القوطیہ کی تاریخی تصنیف" (ہسپانوی زبان)، "القنطرہ"، جلد ۱۰ (۱۹۸۹ء)، صفحات ۴۸۵ ـ ۵۱۲ ـ

۱۱) "القرمونیہ" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ"، جلد ۹ (۱۹۹۰)ـ صفحات ۸۳ ـ ۹۴

۱۲) "المقریزی (م ۸۴۵) کی المقفی میں اندلسی شخصیات کے تراجم"، معاونت : م ـ لوینی (ہسپانوی زبان)، "اندلس کے اسماء الرجال کے مطالعات ـ جلد سوم (مرتب و محقق : محترمہ ل ـ آویلا ـ غرناطہ ـ جامعہ غرناطہ، ۱۹۹۰ء ـ صفحات ۲۱۰ ـ ۲۵۵ـ

۴) "عبدالرحمن الاول کا مولیٰ بزیع اور اس کی اولاد" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ"، جلد ۸

۱۳) ابن القوطیہ کی تاریخ ' افتتاح الاندلس' میں خاندانوں کے تذکرے" (ہسپانوی زبان) "اندلس کے اسماء الرجال ۔ جلد چہارم (ترتیب و تحقیق ل مولینا) غرناطہ ۔ جامعہ غرناطہ ۔ ۱۹۹۰ء' صفحات ۴۱۔۷۰

۱۴) "الوافی بالوفیات' میں اندلسی اعلام" (ہسپانوی زبان)' "اندلس کے اسماء الرجال کے مطالعات" ۔ جلد چہارم۔ غرناطہ۔ جامعہ غرناطہ' ۱۹۹۰ء ۔ صفحات ۱۵۹۔۲۱۴

۱۵) "علمائے اندلس کی تاریخ کا ایک گم شدہ ماخذ۔ تونس کے خلدونی عجائب گھر کا ایک مخطوطہ" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ" ۔ جلد ۱۲ (۱۹۹۱)' صفحات ۲۷۳۔۲۷۶

۱۶) "اموی عہد کے اندلس کے تین معروف بنو زیاد خاندان" (ہسپانوی زبان) "اندلس کے اسماء الرجال کے مطالعات" جلد پنجم (ترتیب و تحقیق مانویلا مارین اور ے۔ زانوں) غرناطہ' ۱۹۹۲ء' صفحات ۸۵ ۔ ۱۴۲

۱۷) "اموی عہد کی مساجد میں پچی کاری" (انگریزی زبان) "نذر پروفیسر جے ۔ بوش ولا"۔ غرناطہ' ۱۹۹۲ء' جلد اول ۔ صفحات ۔ ۱۳۱۔ ۱۴۴

۱۸) "محنہ ابن حاتم الطلیطلی (۴۵۷۔ ۴۶۴ھ)" (ہسپانوی زبان) "اندلس کے اسماء الرجال کے مطالعات" ' جلد ۶ (۱۹۹۲) زیر طبع۔

۱۹) "محنہ ابو عمر الطلمنکی ۔ حیات و آثار" (ہسپانوی زبان)' "شرق الاندلس" ۔ ۱۹۹۲ء ۔ زیر طبع۔

۲۰) "ہسپانیہ کے دو ماہرین علوم عربیہ۔ رائن ڈوزی اور م۔ جے گوئخے کے مابین چند خطوط کا مطالعہ" (ہسپانوی زبان) ۔ "علوم عربیہ و ہسپانیہ کے بارے میں متفرقات" ۔ ۱۹۹۲ء ۔ زیر طبع۔

۲۱) "پانچویں صدی ہجری کے اندلس میں یہودیت اور عیسائیت کے مقابل اسلام" (ہسپانوی زبان)۔ "روداد بین الاقوامی کانفرنس بعنوان ۔ قرون وسطیٰ میں جزیرہ نمائے ہسپانیہ میں عیسائیت' یہودیت اور اسلام کے درمیان گفت و شنید"۔ زیر طبع۔

۲۲) "مذہب"، "تاریخ ہسپانیہ" ۔ جلد ۸ ۔ ملوک الطوائف ۔ بانی ۔ ے نینڈیز پیدال، نگرانی ۔ محترمہ خوور ۔ زیر طبع۔

۲۳) "ابن حزم اور یہودی زندیق" (انگریزی زبان) "بحر متوسط اور مغرب کے مسلمان" ۔ زیر طبع۔

۲۴) "موریطانی سیاح کا مغرب سے رابطہ ۔ رحلہ طویر الجنا (۱۲۴۵۔ ۱۲۵۰) "، (انگریزی زبان) مغرب ۔ زیر طبع۔

۲۵) "الاصفر" (انگریزی زبان) "مطالعہ" ۔ زیر طبع ۔

۲۶) "قاضی بطور حکمران" (انگریزی زبان) "علم دین اور سیاسی اقتدار" ۔ زیر طبع۔

ج ۔ علم الکلام ۔ بدعات ۔

۱) "اندلس میں زندقہ کے الزامات" (انگریزی زبان)، "تذکرہ علوم عربیہ" جلد ۵ ۔ ۶ (۱۹۸۷۔۸۸) صفحات ۲۵۱ ۔ ۲۵۸ ۔

۲) "ابن مسرہ پر الزامات کی ایک تردید" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ" ۔ جلد ۱۰ (۱۹۸۹ء) صفحات ۲۷۳۔ ۲۷۵۔

۳) "کرامات اولیاء کے بارے میں مباحث اور اندلس میں تصوف کی نشوونما" (چوتھی پانچویں صدی ہجری)" (انگریزی)، "مجلہ مدرسہ علوم شرقیہ و افریقیہ"۔ جلد ۵۵ (۱۹۹۲ء)، صفحات ۔ ۲۳۶۔ ۲۴۹۔

۴) "بدعت پر کتب کا جائزہ" (انگریزی) "اسلام" ۔ جلد۔ ۶۹ (۱۹۹۲)، صفحات ۲۰۴۔ ۲۴۶۔

۵) "اندلس میں بدعات" (انگریزی) "میراث اندلس" (تحقیق و ترتیب جیوسی) ۔ زیر طبع ۔

۶) "اہل سنت کے ہاں عاشورہ کی تقریبات" (انگریزی) مجلہ "عربی" زیر طبع۔

د۔ فقہ اور اصول فقہ۔

۱) "ابوبکر الطرطوشی کی کتاب الحوادث والبدع' میں مالکی اصول سد الذرائع" (ہسپانوی زبان)۔ "القنطرہ" ۔ جلد ۲ (۱۹۸۱)' صفحات ۶۹۔۸۷۔

۲) "اندلس میں مالکی مذہب اور تحکمین کا مسئلہ" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ" ' جلد ۴ (۱۹۸۵)' صفحات ۷۹۔۱۰۲۔

۳) "اندلس میں رفع الیدین فی الصلاۃ کے بارے میں مباحث" (فرانسیسی زبان) "مطالعہ اسلام"۔ جلد ۶۵ (۱۹۸۷ء)' صفحات ۔ ۶۹۔۹۰

۴) "قرآن و حدیث میں خواتین اور محنت و مزدوری" (ہسپانوی زبان)' "پانچویں یک روزہ بین العلوم تحقیقات کانفرنس کی روداد"۔ حصہ اول ۔ اندلس' "اندلس میں خواتین ۔ ان کے معمولات اور سماجی درجہ بندیوں کے بارے میں تاریخی حوالے" ۔ تحقیق و ترتیب محترمہ ــئے۔ رگویرا۔ اشبیلیہ ۔ ۱۹۸۹ء۔

۵) "کلمہ کفر کے بارے میں اندلس میں فتاوی" (انگریزی زبان)' "سالنامہ علوم اسلامیہ"۔ جلد ۲۵ (۱۹۹۰) صفحات ۔ ۱۱۷ (انگریزی)۔

۶) "اندلس میں مالکی مذہب۔ دوسری سے پانچویں صدی ہجری" (ہسپانوی زبان) "القنطرہ" ۔ جلد ۱۲ (۱۹۹۱) صفحات ۱۱۹ ۔ ۱۳۲۔

۷) "اسلام میں ہجرت کا مسئلہ ۔ قدیم تصورات اور جدید مسائل" (ہسپانوی زبان) "اوراق" ۔ زیر طبع۔

حدیث۔

۱) "اندلس میں حدیث کا آغاز ۔ (دوسری صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری تک)" (انگریزی) "اسلام" ۔ جلد ۶۴ (۱۹۸۹) صفحات ۔ ۶۸۔۹۳۔

۲) "تکملہ ابن ابار میں پانچویں سے ساتویں صدی ہجری تک حدیث کی روایات اور کتب" (ہسپانوی زبان) ۔ "ابن ابار۔ بلنسیہ کا عرب صاحب قلم سیاستدان" (۱۱۹۹۔۱۲۶۰)۔ بلنسیہ، ۱۹۹۰، صفحات ۔ ۲۱۵۔ ۲۲۲

حوالہ جات

۱۔ عبد الملک بن حبیب، کتاب التاریخ، مطالعہ اور تحقیق = خورخی اغوادی، المجلس الاعلیٰ للابحاث العلمیہ، معہد لتعاون مع العالم العربی، میڈرڈ۔ ۱۹۹۱ء

۲۔ بظاہر فیرو وہی ہسپانوی خاندان ہے جس کی ایک جلیل القدر شخصیت ابوالقاسم بن فیرو الشاطبی (م ۵۹۰ھ) صاحب حرز الامانی ہیں۔

۳۔ اس عظیم منصوبے کی پہلی جلد جسے پروفیسورا مانویلا مارین نے ترتیب دی ہے ۱۹۸۸ء میں میڈرڈ سے شائع ہوئی۔ اس منصوبے کا مقصد اسلامی تاریخ، تراجم، جغرافیہ اور دیگر تمام ماخذ سے اندلسی شخصیات کے حالات زندگی جمع کر کے شائع کرنا ہے۔ اس کی چھٹی جلد ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔

۴۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ بحث اس وقت چھڑی جب مولانا مسعود عالم ندوی نے وہابی تحریک کے بارے میں اپنی کتاب میں یہ لکھا کہ ہندوستان میں علماء حدیث سے بہت کم واقف تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس کی تردید میں مضمون لکھا جو دو جلدوں میں کتاب کی صورت میں شائع ہوا۔ (پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ت ۔ ن۔)

★★★